QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

سر سید احمد خان کی تفسیر: منہجی، فکری اور کلامی جہات کا تحقیقی جائزہ

Sir Syed Ahmad Khan's Exegesis: A Review of Methodological, Intellectual, and Theological Dimensions

1. Sonya Naz Gul
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.
2. Dr. Muhammad Naeem
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Abdul Wali Khan University Mardan, Khyber Pakhtunkhwa, Pakistan.
3. Dr. Shah Zahoor Ahmad
Lecturer in Islamic Studies, Shaheed Benazir Bhutto University, Sheringal, Wari Camp, Pakistan.

Abstract

Sir Syed Ahmad Khan (1817–1898) occupies a distinctive position in the modern exegetical tradition of the Indian subcontinent. His Qur'anic exegesis reflects a reformist approach that seeks to harmonize Islamic teachings with reason, the laws of nature, and the intellectual challenges of the modern age. This study critically examines the methodological, intellectual, and theological dimensions of Sir Syed's Qur'anic interpretation with particular reference to his exegetical principles and his treatment of major theological issues. The study employs an analytical and qualitative research methodology based on the close examination of Sir Syed's Tafsir al-Qur'an alongside the classical works of Qur'anic exegesis and Islamic theology. It explores the foundations of his interpretive methodology, including his emphasis on reason, the internal coherence of the Qur'an, and the compatibility between revelation and the laws of nature. Furthermore, it analyzes his views on miracles, angels, jinn, revelation, and intercession and compares them with the perspectives of the classical Sunni exegetes and theologians. The findings reveal that Sir Syed did not reject the fundamental doctrines of Islam; rather, he sought to reinterpret many theological concepts in light of rational inquiry and modern scientific thought. While his approach contributed significantly to the development of modern Qur'anic interpretation and stimulated intellectual engagement with contemporary challenges, several of his theological interpretations differ from the traditional positions of the majority of Sunni scholars. Consequently, his exegetical legacy remains an important subject of scholarly discussion in the fields of Qur'anic studies and Islamic theology.

Keyword: *Sir Syed Ahmad Khan, Tafsir al-Qur'an, Qur'anic Exegesis, Methodology, Islamic Theology, Rationalism, Revelation, Miracles, Angels, Jinn, Intercession.*

تمہید

قرآنِ مجید کی تفسیر ہر دور میں اہلِ علم کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ زمانے کے فکری، علمی اور سماجی تغیرات کے ساتھ ساتھ مفسرین نے اپنے اپنے عہد کے مسائل اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآنِ کریم کی تعبیر و تشریح کا فریضہ انجام دیا۔ برصغیر میں انیسویں صدی وہ دور تھا جب مسلمانوں کو سیاسی زوال، تعلیمی پسماندگی، فکری انتشار اور مغربی تہذیب و فلسفے کے بڑھتے ہوئے اثرات کا سامنا

تھا۔ اسی زمانے میں مستشرقین اور عیسائی مشنریوں کی جانب سے اسلام، قرآن اور سیرتِ نبوی ﷺ پر مختلف نوعیت کے اعتراضات کیے جا رہے تھے، جن کے نتیجے میں مسلمانوں کے اعتقادی اور فکری استحکام کو شدید چیلنج درپیش تھا۔ ان حالات نے اہلِ علم کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ اسلامی تعلیمات کو نئے اسلوب میں پیش کریں اور معاصر فکری اعتراضات کا جواب فراہم کریں۔[1]

اسی پس منظر میں سر سید احمد خان نے قرآنِ مجید کی تفسیر کو ایک نئے زاویۂ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی۔ ان کے نزدیک قرآنِ کریم ایک ایسی کتابِ ہدایت ہے جس کی تعلیمات عقلِ سلیم، مشاہدۂ کائنات اور قوانینِ فطرت سے ہم آہنگ ہیں، لہٰذا قرآن کی تعبیر میں ایسے اصول اختیار کیے جانے چاہییں جو عقل و فطرت کے تقاضوں سے متصادم نہ ہوں۔ اسی تصور کی بنیاد پر انہوں نے متعدد قرآنی آیات، خصوصاً معجزات، ملائکہ، جنات، دعا، تقدیر اور دیگر ماورائی امور کی ایسی تعبیرات پیش کیں جو روایتی تفسیری مناہج سے مختلف تھیں۔ ان کا یہ اسلوب ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقے میں توجہ کا باعث بنا، جبکہ دوسری طرف علماء اور مفسرین کی جانب سے شدید علمی تنقید کا موضوع بھی رہا۔

سر سید احمد خان کی تفسیری فکر کی اساس عقل، فطرت اور اجتہاد پر استوار دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے روایت کے مقابلے میں درایت کو نمایاں حیثیت دی، قرآن کو اپنی تفسیر کا بنیادی ماخذ قرار دیا اور متعدد مقامات پر روایتی تفسیری اقوال، اسرائیلی روایات اور بعض مشہور کلامی آراء پر تنقیدی نظر ڈالی۔ ان کے نزدیک اسلام ایک آفاقی اور معقول مذہب ہے جس کی حقیقی تعلیمات جدید سائنس اور صحیح عقل سے متعارض نہیں ہو سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر کو برصغیر میں جدید تفسیری رجحانات کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔

اگرچہ سر سید احمد خان کی تفسیری خدمات، جدیدیت، سائنسی تعبیرات اور اصلاحی فکر پر متعدد تحقیقی مقالات اور کتب منظرِ عام پر آ چکی ہیں، تاہم ان کی تفسیر کے منہجی، فکری اور کلامی پہلوؤں کا ایک جامع، مربوط اور تنقیدی مطالعہ نسبتاً کم سامنے آیا ہے۔ بالخصوص یہ امر تحقیق طلب ہے کہ ان کے تفسیری اصول کس حد تک کلاسیکی اصولِ تفسیر سے مطابقت رکھتے ہیں، ان کی فکری تشکیل کے بنیادی محرکات کیا تھے، اور ان کے کلامی افکار اہلِ سنت کے مسلمہ اصولوں سے کس قدر ہم آہنگ یا مختلف ہیں۔

اسی ضرورت کے پیشِ نظر اس مقالے میں سر سید احمد خان کی تفسیر کا منہجی، فکری اور کلامی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ اس تحقیق میں ان کے اصولِ تفسیر، مصادرِ استدلال، عقلی و سائنسی رجحانات، اصلاحی افکار اور نمایاں کلامی مباحث کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ کیا جائے گا، تاکہ ان کی تفسیری خدمات کا ایک متوازن علمی جائزہ سامنے آ سکے اور برصغیر کی جدید تفسیری روایت میں ان کے مقام و کردار کو زیادہ واضح انداز میں سمجھا جا سکے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

سر سید احمد خان کا علمی و تفسیری تعارف

سر سید احمد خان برصغیر کے ان ممتاز مسلم مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے انیسویں صدی کے سیاسی، سماجی اور فکری بحران کے دور میں مسلمانوں کی تعلیمی و فکری رہنمائی کا بیڑا اٹھایا۔ آپ 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں ایک معزز علمی و دینی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، جہاں عربی، فارسی، منطق، ریاضی اور دیگر مروجہ علوم سے واقفیت حاصل کی۔ بعد ازاں ملازمت کے سلسلے میں مختلف شہروں میں خدمات انجام دیں، تاہم ان کی اصل پہچان ایک مصلح، مفکر، مفسر، مورخ، ماہرِ تعلیم اور مصنف کی حیثیت سے قائم ہوئی۔

1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کو جن سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مسائل کا سامنا تھا، سر سید نے ان کے اسباب کا گہرا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کی ترقی جدید تعلیم، سائنسی شعور اور عقلی طرزِ فکر کو اختیار کیے بغیر ممکن نہیں۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے سائنٹفک سوسائٹی، رسالہ "تہذیب الاخلاق" اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (موجودہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) جیسے ادارے قائم کیے، جنہوں نے برصغیر میں ایک نئی فکری تحریک کو جنم دیا۔

سر سید احمد خان کی تصنیفی خدمات نہایت وسیع ہیں۔ انہوں نے تاریخ، آثارِ قدیمہ، تعلیم، سماجیات، مذہب اور تفسیر سمیت متعدد موضوعات پر قلم اٹھایا۔ ان کی معروف تصانیف میں "آثار الصنادید"، "اسبابِ بغاوتِ ہند"، "تہذیب الاخلاق" کے مضامین، "تبیین الکلام" اور "تفسیر القرآن" نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ ان تصانیف سے ان کی علمی وسعت، تحقیقی ذوق اور اصلاحی فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

> سر سید کی "تفسیر القرآن" ان کی علمی زندگی کا اہم ترین کارنامہ تصور کی جاتی ہے۔ اس تفسیر کی تالیف کا بنیادی مقصد قرآنِ مجید کو ایسے اسلوب میں پیش کرنا تھا جو جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہنی اور فکری سوالات کا جواب دے سکے۔ ان کے نزدیک قرآنِ کریم دینِ اسلام کا بنیادی اور قطعی ماخذ ہے، اس لیے اس کی تعبیر میں عقلِ سلیم، قوانینِ فطرت اور قطعی حقائق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ انہوں نے متعدد مقامات پر اس بات پر زور دیا کہ صحیح عقل اور صحیح نقل میں کوئی حقیقی تعارض نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔[2]

سر سید کے تفسیری منہج کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے قرآنِ مجید کی تشریح میں عقلی استدلال، فطری قوانین اور داخلی قرآنی ربط کو غیر معمولی اہمیت دی۔ اسی بنا پر انہوں نے معجزات، ملائکہ، جنات، دعا، تقدیر اور دیگر ماورائی امور کی ایسی تعبیرات اختیار کیں جو روایتی تفسیری لٹریچر سے مختلف تھیں۔ ان کی ان آراء نے برصغیر میں جدید تفسیری رجحانات کو فروغ دیا،

لیکن ساتھ ہی انہیں متعدد اکابر علماء کی تنقید کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

اگرچہ سر سید احمد خان کی تفسیر مکمل صورت میں شائع نہیں ہو سکی، تاہم جو حصہ دستیاب ہے وہ ان کے تفسیری منہج، فکری رجحانات اور کلامی تصورات کو سمجھنے کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر آج بھی جدید اسلامی فکر، اصولِ تفسیر اور علمِ کلام کے محققین کے لیے خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ ان کی تفسیری خدمات کا مطالعہ نہ صرف برصغیر کی جدید تفسیری روایت کو سمجھنے میں معاون ہے بلکہ یہ اس امر کا بھی تعین کرتا ہے کہ جدید فکری چیلنجز کے مقابلے میں اسلامی نصوص کی تعبیر و تشریح کے مختلف رجحانات کس نوعیت کے رہے ہیں۔

سر سید احمد خان کے تفسیری منہج کا تجزیاتی مطالعہ

سر سید احمد خان کا تفسیری منہج برصغیر کی جدید تفسیری روایت میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے قرآنِ مجید کی تفسیر میں روایتی مناہج سے ہٹ کر ایسے اصول اختیار کیے جن میں عقل، مشاہدہ، قوانینِ فطرت اور عصری علوم کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک قرآنِ کریم ایک ابدی کتابِ ہدایت ہے، اس لیے اس کی تعبیر ہر دور کے علمی اور فکری تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے، بشرطیکہ اس سے قرآن کے بنیادی مقاصد مجروح نہ ہوں۔ یہی تصور ان کے تفسیری منہج کی بنیاد بنتا ہے۔

سر سید کے نزدیک قرآنِ مجید اپنی تفسیر کا سب سے مستند ماخذ ہے، اس لیے وہ آیات کی توضیح میں سب سے پہلے خود قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ اس اصول کے قائل ہیں کہ قرآن میں کسی مقام پر اجمال ہو تو دوسرے مقام پر اس کی وضاحت موجود ہوتی ہے، لہٰذا مفسر کو داخلی قرآنی ربط کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اس اصول کی وجہ سے انہوں نے متعدد مقامات پر ایسی روایات کو قبول نہیں کیا جو ان کے نزدیک قرآن کے ظاہر یا اس کے عمومی مزاج سے مطابقت نہیں رکھتیں۔[3]

سر سید نے حدیثِ نبوی ﷺ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا، تاہم وہ روایت کی قبولیت کے لیے عقل، قرآن اور تاریخی حقائق سے موافقت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی روایات جو قرآن کے صریح مفہوم، قطعی عقلی اصولوں یا قوانینِ فطرت کے خلاف محسوس ہوں، ان کی تاویل کی جا سکتی ہے یا ان کی سند و دلالت پر نظرِ ثانی کی جانی چاہیے۔ یہی نقطۂ نظر ان کے تفسیری منہج کو روایتی مفسرین سے ممتاز کرتا ہے اور اسی بنا پر انہیں اہلِ علم کی جانب سے تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

سر سید احمد خان کے تفسیری منہج میں عقل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ عقل کو وحی کا مخالف نہیں بلکہ اس کی صحیح تفہیم کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ خالقِ کائنات اور نازل کنندۂ قرآن ایک ہی ذات ہے، اس لیے صحیح عقل، قوانینِ فطرت اور قرآنِ مجید کے درمیان حقیقی تعارض ممکن نہیں۔ اسی اصول کی بنیاد پر انہوں نے معجزات، ملائکہ، جنات اور دیگر ماورائی امور کی ایسی

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

تعبیرات پیش کیں جن میں فطری قوانین اور عقلی استدلال کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

سرسید کے تفسیری منہج کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسرائیلی روایات، ضعیف حکایات اور غیر مستند قصوں سے حتیٰ الامکان اجتناب کیا۔ وہ تاریخی روایات کو بھی اسی صورت میں قبول کرتے ہیں جب وہ قرآن کے بیان اور عقلی شواہد سے ہم آہنگ ہوں۔ اس طرزِ عمل سے ان کی تفسیر میں اختصار، استدلال اور فکری تسلسل پیدا ہوا، اگرچہ بعض مقامات پر ضرورت سے زیادہ عقلی تاویل کے باعث ان کے نتائج روایتی اسلامی موقف سے مختلف دکھائی دیتے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سرسید احمد خان کا تفسیری منہج اصلاحی فکر، عقلی استدلال اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ تعبیرِ قرآن پر مبنی ہے۔ اس منہج نے برصغیر میں جدید تفسیری مباحث کو ایک نئی جہت عطا کی، تاہم اس کے بعض اصول اور تطبیقات علماءِ امت کے نزدیک محلِ نظر رہے۔ یہی پہلو ان کے منہج کو علمی تحقیق اور تنقیدی مطالعے کے لیے اہم بناتا ہے۔

سرسید احمد خان کے کلامی افکار کا تجزیاتی مطالعہ

سرسید احمد خان کی تفسیری فکر کا سب سے نمایاں پہلو ان کا کلامی منہج ہے، جس کی بنیاد عقل، سنتِ الٰہیہ اور قوانینِ فطرت کے باہمی توافق پر استوار ہے۔ انہوں نے متعدد اعتقادی مسائل کی تشریح میں روایتی متکلمین سے ہٹ کر ایسا اسلوب اختیار کیا جس میں عقلی استدلال کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی عقائد کا مقصد ایسے حقائق کو بیان کرنا ہے جو عقلِ سلیم سے متصادم نہ ہوں، اسی لیے انہوں نے متعدد غیبی اور مابعد الطبیعیاتی مسائل کی تعبیرِ نو کی کوشش کی۔[4]

معجزات کا تصور

معجزات کے بارے میں سرسید احمد خان کا موقف ان کی کلامی فکر کا بنیادی ستون ہے۔ وہ معجزے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر تو تسلیم کرتے ہیں، تاہم اس کی ایسی تعبیر کے قائل ہیں جو سنتِ الٰہیہ اور قوانینِ فطرت سے متصادم نہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

> "خدا تعالیٰ کے افعال ہمیشہ اس قانون کے مطابق ہوتے ہیں جو اس نے عالمِ فطرت کے لیے مقرر فرمایا ہے، اس لیے قرآنِ مجید کی تفسیر بھی اسی اصول کے مطابق ہونی چاہیے۔"[5]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سرسید معجزات کی تعبیر میں خرقِ عادت کے بجائے سنتِ الٰہیہ کو بنیاد بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کسی قرآنی واقعے کی معقول اور فطری توجیہ ممکن ہو تو اسے غیر معمولی اور مافوق الفطرت انداز میں بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہی اصول ان کی تفسیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور دیگر انبیائے کرام کے معجزات کی تشریح پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

سر سید کے اس موقف کا بنیادی مقصد معجزات کا انکار نہیں بلکہ جدید ذہن کے لیے ان کی عقلی تعبیر پیش کرنا تھا، تاکہ اسلام پر یہ اعتراض نہ کیا جا سکے کہ اس کی بنیادی تعلیمات سائنسی حقائق یا قوانینِ فطرت سے متعارض ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی فکر انیسویں صدی کے فکری اور سائنسی ماحول کا واضح عکس معلوم ہوتی ہے۔

تاہم جمہور اہلِ سنت نے اس تعبیر کو قبول نہیں کیا۔ ان کے نزدیک معجزہ بذاتِ خود خرقِ عادت کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی صداقت کے اظہار کے لیے ظاہر فرماتا ہے۔ امام فخر الدین رازی، حافظ ابن کثیر اور علامہ آلوسی نے متعلقہ آیات کی تفسیر میں واضح کیا ہے کہ معجزات کو محض فطری اسباب پر محمول کرنا نصوص کے ظاہر اور امت کے اجماعی فہم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان علماء کے نزدیک سنتِ الٰہیہ میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے عادت کے برخلاف امر کو ظاہر کر دے، اور یہی معجزے کی حقیقی حقیقت ہے۔

جنات کا تصور: سر سید احمد خان کا کلامی موقف

جنات کی حقیقت ان کلامی مباحث میں شامل ہے جن میں سر سید احمد خان نے جمہور اہلِ سنت کے موقف سے نمایاں اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک قرآنِ مجید میں لفظ "جن" ہر مقام پر ایک مستقل، غیر مرئی اور آتشی مخلوق کے لیے استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس کا مفہوم سیاق و سباق کے مطابق متعین ہوتا ہے۔ انہوں نے اس لفظ کی تشریح میں عربی لغت، قرآنی استعمال اور تاریخی پس منظر کو بنیادی اہمیت دی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ بعض مواقع پر "جن" سے ایسے انسان مراد ہیں جو آبادیوں سے دور، پہاڑی یا جنگلاتی علاقوں میں رہتے تھے اور عرب معاشرے کی نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے "جن" کہلاتے تھے۔

سر سید اپنی تفسیر میں لفظ "جن" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عربی مادہ (ج۔ن۔ن) کے بنیادی معنی "چھپ جانا" اور "نگاہ سے اوجھل ہونا" ہیں۔ اسی مادے سے جنین (رحم میں پوشیدہ بچہ)، جُنَّۃ (ڈھال) اور جَنَّۃ (درختوں سے ڈھکا ہوا باغ) جیسے الفاظ وجود میں آئے ہیں۔ ان کے نزدیک جب لغوی بنیاد ہی "پوشیدگی" ہے تو ہر مقام پر "جن" کو ایک مخصوص غیبی مخلوق پر محمول کرنا ضروری نہیں، بلکہ بعض قرآنی مقامات پر اس سے پوشیدہ انسان یا غیر مانوس اقوام بھی مراد ہو سکتی ہیں۔[6]

سر سید خاص طور پر سورۂ جن کی تفسیر میں اس بات کی طرف مائل ہیں کہ قرآن سننے والے "جن" دراصل ایک ایسی جماعت تھی جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی تھی یا اجنبی علاقے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے نزدیک اس تعبیر سے قرآن کے بیان میں کوئی تعارض پیدا نہیں ہوتا، بلکہ آیات کو ان کے تاریخی اور لسانی پس منظر میں سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے ان روایات کو بھی تنقیدی نگاہ سے دیکھا جن میں جنات کی غیر معمولی جسمانی صفات، تصرفات یا انسانوں پر تسلط کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، کیونکہ

ان کے نزدیک ایسی روایات قرآن کے اصل مقصود سے براہِ راست ثابت نہیں ہوتیں۔

سرسید کے اس موقف کی بنیاد ان کے عمومی کلامی اصول پر ہے کہ قرآنِ مجید کی تعبیر عقل، سنتِ الٰہیہ اور قوانینِ فطرت سے ہم آہنگ ہونی چاہیے۔ چونکہ ان کے نزدیک اسلام کسی ایسی حقیقت کا اثبات نہیں کرتا جو عقلِ سلیم سے قطعی طور پر متصادم ہو، اس لیے انہوں نے جنات کے بارے میں بھی ایسی تعبیر اختیار کی جو جدید ذہن کے لیے زیادہ قابلِ فہم ہو۔ ان کا مقصد جنات کا انکار نہیں بلکہ اس اصطلاح کی نئی تعبیر پیش کرنا تھا۔

تاہم جمہور اہلِ سنت نے اس موقف کو قبول نہیں کیا۔ امام طبری، امام قرطبی، حافظ ابن کثیر، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین کے نزدیک جنات اللہ تعالیٰ کی ایک مستقل مخلوق ہیں، جنہیں قرآنِ کریم نے ﴿خَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ﴾ (الرحمن:15) کے الفاظ میں آگ سے پیدا شدہ قرار دیا ہے۔ مزید برآں، سورۂ جن، سورۂ احقاف اور متعدد صحیح احادیث سے بھی جنات کے مستقل وجود، ان کے ایمان و کفر، ان کی ذمہ داریوں اور رسول اللہ ﷺ سے ان کے تعلق کا اثبات ہوتا ہے۔ اس بنا پر جمہور علماء نے سرسید کی تعبیر کو نصوص کے ظاہر سے بعید اور ضرورت سے زیادہ عقلی تاویل قرار دیا۔

انہوں نے قرآن کے الفاظ کو لغوی تحقیق، عقلی استدلال اور تاریخی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی اور اسی بنیاد پر جنات کی ایک غیر روایتی تعبیر پیش کی۔ اگرچہ یہ تعبیر جدید اسلامی فکر میں اجتہادی اہمیت رکھتی ہے، لیکن نصوصِ قرآن، احادیثِ صحیحہ اور جمہور امت کے متوارث فہم کے مقابلے میں اسے قبولِ عام حاصل نہ ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کا نظریۂ جنات آج بھی علمِ تفسیر اور علمِ کلام میں ایک اہم تنقیدی بحث کا موضوع سمجھا جاتا ہے۔

وحی کا تصور: ایک کلامی تجزیہ

وحی کا مسئلہ سرسید احمد خان کی کلامی فکر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک نبوت، رسالت اور قرآنِ مجید کی الٰہی حیثیت کا فہم اسی عقیدے پر موقوف ہے۔ انہوں نے وحی کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کی ایسی تعبیر پیش کی جس میں وحی کی ربانی حقیقت برقرار رہتی ہے اور ساتھ ہی اسے عقل، فطرت اور سنتِ الٰہیہ کے اصولوں سے ہم آہنگ بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ وحی کو جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے قابلِ فہم انداز میں پیش کیا جائے اور اس کے بارے میں مغربی فلسفے اور جدید سائنس سے پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ کیا جا سکے۔

سرسید احمد خان کے تصورِ وحی کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا جا سکتا ہے:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

"وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے برگزیدہ انبیاء پر نازل ہونے والا ایک حقیقی ربانی فیضان ہے، جو ان کی غیر معمولی روحانی استعداد اور خدائی انتخاب کا مظہر ہوتا ہے۔ یہ نہ انسانی تخیل کی پیداوار ہے اور نہ محض وجدانی کیفیت، بلکہ ایک یقینی الٰہی ہدایت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے احکام اور تعلیمات انبیائے کرام تک پہنچاتا ہے۔ وحی کی حقیقت اگرچہ عام انسانی ادراک سے بلند ہے، تاہم اس کا وقوع سنتِ الٰہیہ اور قوانینِ فطرت کے منافی نہیں، کیونکہ قانونِ تکوین اور قانونِ تشریع دونوں ایک ہی خالق کی طرف سے صادر ہوئے ہیں، اس لیے ان کے درمیان حقیقی تعارض ممکن نہیں۔"[7]

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سرسید احمد خان وحی کو ایک حقیقی اور الٰہی حقیقت تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس کی تعبیر میں روایتی متکلمین کے مقابلے میں زیادہ عقلی اور فطری اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انبیائے کرام کو اللہ تعالیٰ ایک ایسی روحانی اور نفسی استعداد عطا فرماتا ہے جس کے ذریعے وہ بلاواسطہ الٰہی ہدایت کے مخاطب بنتے ہیں۔ اس بنا پر وہ وحی کو محض مافوق الفطرت واقعہ قرار دینے کے بجائے اسے انسانی فطرت کے اعلیٰ ترین کمال اور ربانی انتخاب کا مظہر بھی قرار دیتے ہیں۔

سرسید کی تعبیر کا بنیادی مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ اسلام کا عقیدۂ وحی جدید سائنسی اور عقلی افکار سے متعارض نہیں۔ اسی لیے انہوں نے اس تصور پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں تضاد ممکن نہیں؛ جس خدا نے کائنات کو پیدا کیا ہے، اسی نے قرآن کو نازل کیا ہے، لہٰذا عقلِ صحیح، قوانینِ فطرت اور وحیِ الٰہی ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ یہی نظریہ ان کے پورے تفسیری منہج کی اساس بھی ہے اور اسی کے زیرِ اثر انہوں نے متعدد غیبی اور کلامی مسائل کی تعبیر کی۔

جمہور اہلِ سنت نے اگرچہ وحی کی الٰہی حقیقت کو سرسید کی طرح مسلم مانا ہے، لیکن اس کی کیفیت کی عقلی تعبیر سے اتفاق نہیں کیا۔ امام ابو بکر باقلانی، امام الحرمین جوینی، امام فخر الدین رازی اور علامہ تفتازانی کے نزدیک وحی ایک خالص غیبی حقیقت ہے جس کی مکمل کیفیت انسانی عقل کی گرفت سے ماوراء ہے۔ اسی طرح جمہور مفسرین حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نزولِ وحی کو نصوصِ قرآن وحدیث کے ظاہر کے مطابق قبول کرتے ہیں اور اس کی عقلی توجیہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔

سرسید نے وحی کی حقیقت کو برقرار رکھتے ہوئے اسے جدید ذہن کے لیے معقول انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی بعض تعبیرات میں عقلی رجحان اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ روایتی علمِ کلام میں مسلم غیبی پہلو نسبتاً پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا تصورِ وحی جدید اسلامی فکر میں تجدید کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے اور کلاسیکی علمِ کلام کے تناظر میں تنقیدی بحث کا موضوع بھی۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

ملائکہ کا تصور: ایک کلامی تجزیہ

ملائکہ کا تصور سر سید احمد خان کی کلامی فکر کے ان مباحث میں سے ہے جہاں ان کا عقلیت پسند اور فطرت پسند منہج پوری طرح نمایاں ہوتا ہے۔ انہوں نے ملائکہ کے بارے میں جمہور اہلِ سنت کی اس رائے کو قبول نہیں کیا کہ وہ نور سے پیدا کی گئی مستقل اور ذی شعور مخلوق ہیں جو انسانی صورت اختیار کر سکتی ہے اور انبیائے کرام کے پاس پیغامِ الٰہی لے کر آتی ہے۔ اس کے برعکس انہوں نے ملائکہ کی ایسی تعبیر پیش کی جو قوانینِ فطرت، سنتِ الٰہیہ اور نظامِ کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

سر سید احمد خان کے تصورِ ملائکہ کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

"ملائکہ سے مراد وہ فطری قوتیں اور الٰہی قوانین ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظم و نسق چلاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ملائکہ کا ذکر دراصل ان خدائی طاقتوں اور آثارِ قدرت کی طرف اشارہ ہے جو مختلف صورتوں میں نظامِ عالم کی تدبیر کر رہی ہیں۔ اسی طرح جبرئیل سے مراد وہ نبوی استعداد اور قوتِ وحی ہے جس کے ذریعے نبی اللہ تعالیٰ کا پیغام حاصل کرتا ہے، نہ کہ لازماً ایک ایسی مستقل ہستی جو انسانی شکل میں آکر پیغام پہنچائے۔"[8]

اس موقف سے واضح ہوتا ہے کہ سر سید ملائکہ کی حقیقت کو خارجی اور مستقل مخلوق کے بجائے اللہ تعالیٰ کی کارفرما قوتوں اور قوانینِ فطرت کی تعبیر کے طور پر سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کا مقصود فرشتوں کی جسمانی ساخت، پروں یا ظاہری ہیئت کو بیان کرنا نہیں، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ کائنات کا ہر نظام اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق چل رہا ہے۔ اسی لیے انہوں نے ملائکہ سے متعلق متعدد آیات کی تفسیر میں تمثیلی اور عقلی اسلوب اختیار کیا اور ان کی تعبیر کو نظامِ ربوبیت کے ساتھ مربوط کیا۔

سر سید کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ایک مستقل نورانی فرشتہ نہیں بلکہ "ملکۂ نبوت" یا وہ ربانی استعداد ہیں جس کے ذریعے انبیائے کرام پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ اسی طرح میکائیل، اسرافیل اور دیگر ملائکہ کے بارے میں بھی وہ روایتی تعبیر کے بجائے ان کے وظائف کو کائنات میں کارفرما مختلف الٰہی قوتوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی یہ رائے ان کے اس بنیادی اصول سے پیدا ہوتی ہے کہ قرآنِ مجید کی تعبیر ہمیشہ عقلِ سلیم، مشاہدۂ فطرت اور سنتِ الٰہیہ کے مطابق ہونی چاہیے اور ایسی تعبیر اختیار نہیں کرنی چاہیے جو ان کے نزدیک مسلمہ قوانینِ فطرت سے متصادم ہو۔

اس کے برعکس جمہور اہلِ سنت کا موقف یہ ہے کہ ملائکہ نور سے پیدا کی گئی حقیقی، مستقل اور ذی شعور مخلوق ہیں۔ امام طبری، امام فخر الدین رازی، حافظ ابن کثیر، امام قرطبی اور علامہ آلوسی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل،

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

حضرت اسرافیل اور دیگر ملائکہ کے وجود کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے۔ ان کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انبیائے کرام تک پہنچانے والے حقیقی فرشتہ ہیں اور ملائکہ کے متعلق قرآن و سنت میں مذکور اوصاف پر بلا تاویل ایمان رکھنا اہلِ سنت کے عقائد میں شامل ہے۔

سرسید احمد خان کا نظریۂ ملائکہ ان کے پورے تفسیری منہج کی نمائندگی کرتا ہے، جس میں وہ ہر غیبی حقیقت کی تعبیر کو عقل، فطرت اور سائنسی فکر کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس تعبیر کا مقصد جدید ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ تھا، لیکن جمہور علماء نے اسے نصوصِ قرآن و حدیث کے ظاہری مفہوم سے انحراف اور ضرورت سے زیادہ عقلی تاویل قرار دیا۔ اسی وجہ سے ملائکہ کے بارے میں سرسید کا موقف برصغیر کی جدید کلامی فکر میں سب سے زیادہ متنازع آراء میں شمار کیا جاتا ہے۔

خلاصۂ بحث

سرسید احمد خان کی تفسیر کے کلامی مباحث کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انہوں نے قرآنِ مجید کی تعبیر میں ایک ایسا منہج اختیار کیا جس کی بنیاد عقل، قوانینِ فطرت، سنتِ الٰہیہ اور عصری تقاضوں پر استوار ہے۔ ان کا بنیادی مقصد جدید دور میں اسلام اور قرآنِ مجید پر ہونے والے فکری و فلسفیانہ اعتراضات کا جواب دینا اور تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے اسلامی عقائد کو ایک معقول اور قابلِ فہم انداز میں پیش کرنا تھا۔ اسی مقصد کے تحت انہوں نے متعدد غیبی اور کلامی مسائل کی ایسی تعبیرات پیش کیں جو روایتی تفسیری منہج سے مختلف ہیں۔

اس باب میں معجزات، ملائکہ، جنات، وحی اور شفاعت جیسے اہم کلامی موضوعات کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا۔ معجزات کے بارے میں سرسید نے ان کی ایسی تشریح کی جو قوانینِ فطرت سے ہم آہنگ ہو، جبکہ ملائکہ کی تعبیر میں انہوں نے انہیں کائنات میں کارفرما الٰہی قوتوں اور نظامِ ربوبیت کی علامت کے طور پر سمجھنے کی کوشش کی۔ اسی طرح جنات کی تفسیر میں انہوں نے لغوی اور تاریخی پہلوؤں کو نمایاں کیا اور متعدد مقامات پر ان سے پوشیدہ یا غیر مانوس اقوام مراد لیں۔ تصورِ وحی کے سلسلے میں انہوں نے وحی کی الٰہی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی عقلی اور نفسیاتی توضیح پیش کی، جبکہ شفاعت کے مسئلے میں انہوں نے قرآن کے اصولِ توحید، عدلِ الٰہی اور انفرادی ذمہ داری کو بنیاد بنا کر اس کی تعبیر کی۔

اگرچہ سرسید احمد خان کی ان تعبیرات کا مقصد اسلام کو جدید علمی اور فکری چیلنجز کے تناظر میں مؤثر انداز سے پیش کرنا تھا، تاہم ان کے بعض افکار کو جمہور اہلِ سنت نے نصوصِ قرآن و سنت کے ظاہری مفہوم سے انحراف اور ضرورت سے زیادہ عقلی تاویل قرار

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

دیا۔ اسی وجہ سے ان کی کلامی آراء کو ایک طرف جدید اسلامی فکر میں تجدید و اجتہاد کی اہم کوشش سمجھا جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف کلاسیکی علمِ کلام کے اصولوں کی روشنی میں ان پر سنجیدہ علمی نقد بھی کیا جاتا ہے۔

نتائج بحث

مذکورہ بحث کے تجزیے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

1۔ سر سید احمد خان نے قرآنِ مجید کی تفسیر میں ایک ایسا کلامی منہج اختیار کیا جس کی اساس عقل، قوانینِ فطرت اور سنتِ الٰہیہ پر قائم ہے، اور اسی اصول کی روشنی میں انہوں نے متعدد اعتقادی مسائل کی تعبیر کی۔

2۔ سر سید کے نزدیک قرآنِ مجید اور صحیح عقل میں کوئی حقیقی تعارض نہیں، اس لیے انہوں نے ان قرآنی آیات کی ایسی تفسیر کو ترجیح دی جو ان کے نزدیک عقلی اور فطری اصولوں سے ہم آہنگ ہو۔

3۔ معجزات کے بارے میں سر سید نے مروجہ مافوق الفطرت تعبیر کے بجائے فطری اور عقلی توضیح اختیار کی، جس کے نتیجے میں ان کی رائے جمہور مفسرین کے موقف سے مختلف ہو گئی۔

4۔ ملائکہ کے تصور میں سر سید نے انہیں روایتی معنی میں مستقل نورانی مخلوق قرار دینے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی کارفرما قوتوں، قوانینِ فطرت اور نظامِ ربوبیت کی علامت کے طور پر سمجھنے کی کوشش کی، جسے جمہور علماء نے قبول نہیں کیا۔

5۔ جنات کے بارے میں سر سید نے لغوی، تاریخی اور عقلی تعبیرات کو بنیاد بنایا اور بعض مقامات پر انہیں غیر مرئی مخلوق کے بجائے پوشیدہ یا غیر معروف انسانی گروہوں پر محمول کیا، جو روایتی تفسیری موقف سے نمایاں طور پر مختلف ہے۔

6۔ سر سید نے وحی کی الٰہی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی ایسی تعبیر پیش کی جس میں انسانی روحانی استعداد اور سنتِ الٰہیہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، تاہم جمہور متکلمین نے اس کی بعض تشریحات کو وحی کی غیبی نوعیت کے روایتی تصور سے ہم آہنگ نہیں سمجھا۔

7۔ شفاعت کے بارے میں سر سید نے اللہ تعالیٰ کے اذن، عدل اور انفرادی ذمہ داری کو بنیادی اصول قرار دیا اور شفاعت کے تصور کو انہی حدود میں سمجھنے کی کوشش کی، جبکہ جمہور اہلِ سنت شفاعت کے اثبات میں احادیثِ صحیحہ کو بھی بنیادی ماخذ قرار دیتے ہیں۔

8۔ سر سید احمد خان کی کلامی تعبیرات کا بنیادی محرک انیسویں صدی میں اسلام پر ہونے والے فلسفیانہ، سائنسی اور مستشرقانہ اعتراضات کا جواب دینا اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے اسلام کی معقول تعبیر پیش کرنا تھا۔

9۔ سر سید کے کلامی افکار نے برصغیر میں جدید تفسیری اور کلامی فکر کو ایک نئی جہت عطا کی اور بعد کے متعدد مصلحین اور مفکرین پر اثرات مرتب کیے، اگرچہ ان کی متعدد آراء اہلِ سنت کے علمی حلقوں میں مسلسل تنقید کا موضوع بھی رہیں۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 03 Issue No: 01 (2026)

10۔ مجموعی طور پر سرسید احمد خان کی تفسیر میں کلامی مباحث اجتہادی اور اصلاحی فکر کے آئینہ دار ہیں، جن کی علمی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ تاہم ان کی بعض تعبیرات کلاسیکی تفسیری روایت، جمہور اہلِ سنت کے عقائد اور متوارث علمِ کلام سے اختلاف رکھتی ہیں، جس کے باعث ان کی تفسیر جدید اسلامی فکر اور روایتی اعتقادی مناہج کے تقابلی مطالعے کا ایک اہم ماخذ بن گئی ہے۔

حوالہ جات

[1] الطاف حسن حالی، حیات جاوید (لاہور: مکتبۃ الفیصل، 1998ء) ص34

[2] سرسید احمد خان، مقدمہ تفسیر القرآن، (لاہور: سنگ میل پبلیکشنز، 2007ء) ص12

[3] محمد عارف، اور شیر علی، "سرسید احمد خان کے اصولِ تفسیر کا تجزیاتی مطالعہ، Scholar Insight Journal "، جلد2، شمارہ2 (2024ء):96–114۔

[4] سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، 1/121

[5] سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، 2/456

[6] سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، 1/345

[7] سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، 1/234

[8] سرسید احمد خان، تفسیر القرآن، 2/123